



ناول ”امراؤ جان ادا“ میں مرزا رسوا کی زندگی کی عکاسی

The novel "Umrao Jaan Ada" depicts the life of Mirza Rasw.

سرفراز احمد

اسکالر پی ایچ ڈی اردو، لاہور لیڈز یونیورسٹی، لاہور

ڈاکٹر محمد عطاء اللہ

صدر شعبہ اردو، لاہور لیڈز یونیورسٹی، لاہور

Abstract:

This essay examines the reflection of Mirza Hadi Ruswa's life and personality in his celebrated Urdu novel Umrao Jan Ada. It argues that the relationship between an author and a fictional work should not be understood merely in terms of direct autobiography or the reproduction of personal events. Fiction, particularly the novel, inevitably carries the author's intellectual, psychological, aesthetic, cultural, and philosophical consciousness. In this sense, the concept of the "face of the writer" can be understood positively as the creative manifestation of the author's personality within a work of art. The essay explores Umrao Jan Ada from this perspective and demonstrates how different dimensions of Ruswa's personality are embedded in the novel. His identity as a poet is reflected in Umrao's poetic sensibility; his knowledge of music appears in the musical and performative culture of Lucknow; his understanding of civilization and society is reflected in the detailed portrayal of Lucknow's social life; and his philosophical concerns emerge through questions of fate, free will, morality, and human responsibility. Similarly, Ruswa's psychological insight is evident in the complex inner life of Umrao and other characters, while his analytical and scientific temperament appears in his attempt to understand human behaviour through its social and psychological causes. Most significantly, his humanistic outlook is manifested in giving a marginalized woman a voice, agency, intellectual dignity, and the authority to narrate her own life. The novel's language, idioms, manners, and everyday speech further reveal Ruswa's linguistic and cultural consciousness. Thus, Umrao Jan Ada is not Ruswa's autobiography in a literal sense; rather, it is a profound creative self-reflection in which his experiences have been transformed into intellectual, aesthetic, and humanistic consciousness. The essay concludes that Ruswa does not simply reproduce his life in fiction; he transforms the consciousness acquired from his life into characters, situations, language, and cultural memory.



In this sense, Umrao Jan Ada may be read simultaneously as the story of Umrao, the cultural memory of nineteenth-century Lucknow, and a creative self-portrait of its author.

کلیدی الفاظ و تراکیب: امر اؤ جان ادا، مرزاہادی رسوا، مصنف کی شخصیت، تخلیقی خود شناسی، فکشن، ناول، خود نوشت، تہذیبی خود نوشت، مصنف کی زندگی، شخصیت کا انعکاس، شاعر، موسیقی شناس، تہذیب شناس، فلسفی، نفسیات شناس، انسان دوستی، زبان و بیان، لکھنوی تہذیب، نسوانی کردار، انسانی شعور، فکشن تنقید

فکشن اور مصنف کی شخصیت کا تعلق ادبی تنقید کے اہم اور پیچیدہ مسائل میں سے ایک ہے۔ بظاہر فکشن زندگی کی خارجی دنیا، انسانی کرداروں، معاشرتی حالات اور تاریخی واقعات کی تخلیقی تشکیل ہے، لیکن اس تشکیل کے پیچھے مصنف کا اپنا شعور بھی مسلسل سرگرم رہتا ہے۔ داستان ہو، ڈراما ہو، افسانہ ہو یا ناول، مصنف اپنی شخصیت سے مکمل طور پر دست بردار نہیں ہو سکتا۔ وہ خواہ اپنی ذات کو براہ راست بیان نہ کرے، اس کے تجربات، مشاہدات، علمی رجحانات، فکری تصورات، نفسیاتی کیفیات، جمالیاتی ذوق اور تہذیبی وابستگی کسی نہ کسی سطح پر اس کے فن پارے میں منتقل ہو جاتے ہیں۔

اس تناظر میں مصنف کی شخصیت کے فکشن میں انعکاس کو عموماً مصنف کی نمائندگی (Face of the Writer) کے تصور سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ تاہم یہاں ”مصنف کی مداخلت“ یا ”مصنف کی خود نمائی“ کے منفی مفہوم سے زیادہ اہم اس تصور کا مثبت اور تخلیقی پہلو ہے۔ مصنف اپنے تجربے کو جوں کا توں فن پارے میں منتقل نہیں کرتا بلکہ اسے تخلیقی شعور، تخیل اور فنی تکنیک سے گزار کر ایک نئی حقیقت میں تبدیل کر دیتا ہے۔ چنانچہ فن پارے میں مصنف کی شخصیت کسی ایک کردار کے روپ میں نہیں بلکہ پورے فن پارے کے مزاج، اسلوب، زبان، موضوع، کردار سازی اور فکری ساخت میں بکھری ہوئی ہوتی ہے۔

مرزاہادی رسوا کا شہرہ آفاق ناول ”امر اؤ جان ادا“ اس حوالے سے غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ 1899ء میں شائع ہونے والے اس ناول میں انیسویں صدی کے لکھنؤ کی سماجی، تہذیبی، ادبی اور ثقافتی زندگی کی نہایت جیتی جاگتی تصویر ملتی ہے۔ ریختہ کے مطابق یہ ناول لکھنؤ کی سماجی و ثقافتی زندگی کی عکاسی کے ساتھ طنز، تشبیہ، شوخی، محاورات، منظر نگاری اور زبان کے اعتبار سے اردو کے کامیاب ترین ناولوں میں شمار ہوتا ہے۔ زیر نظر مضمون کا بنیادی سوال یہ ہے کہ ”امر اؤ جان ادا“ میں خود مرزاہادی رسوا کہاں موجود ہیں؟



اس سوال کا جواب ناول کے واقعات میں براہ راست تلاش کرنا درست نہیں ہوگا۔ امر اوجان کو مرزا رسوا کی خود نوشت قرار دینا ایک سطحی تعبیر ہوگی۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ رسوانے اپنی علمی، فکری، نفسیاتی، تہذیبی اور جمالیاتی شخصیت کے کن عناصر کو امر اوجان کی داستان میں منتقل کیا ہے۔ ہمارا بنیادی مقدمہ یہی ہے کہ ناول میں رسوا کی زندگی واقعاتی خود نوشت کے طور پر نہیں بلکہ شخصیتی اور فکری انعکاس کے طور پر موجود ہے۔

ادب میں مصنف کی شخصیت کے انعکاس کو سمجھنے کے لیے پہلے یہ فرق ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ مصنف کی زندگی اور مصنف کی شخصیت ایک ہی چیز نہیں۔ مصنف کی زندگی میں پیش آنے والے واقعات فن پارے میں شامل ہوں تو یہ سوانحی انعکاس ہے؛ لیکن مصنف کے تجربات سے پیدا ہونے والا فکری رویہ، دنیا کو دیکھنے کا انداز، انسان کو سمجھنے کا طریقہ اور جمالیاتی ذوق فن پارے میں منتقل ہو تو یہ شخصیتی انعکاس ہے۔

مثلاً کسی ناول نگار نے اپنی زندگی میں غربت دیکھی ہو تو ضروری نہیں کہ وہ اپنی غربت کا واقعہ ناول میں لکھے۔ ممکن ہے اس کا اثر اس طرح ظاہر ہو کہ وہ غریب کردار کو زیادہ انسانی ہمدردی، نفسیاتی گہرائی اور سماجی شعور کے ساتھ پیش کرے۔ اسی طرح کسی شاعر کی موسیقی سے دلچسپی لازماً کسی موسیقار کردار کی صورت میں ظاہر نہیں ہوگی؛ ممکن ہے کہ اس کا اثر زبان کے آہنگ، منظر کی تشکیل یا کردار کے جمالیاتی شعور میں ظاہر ہو۔ مرزا رسوا کے معاملے میں یہی صورت حال ہے۔ ان کی شخصیت بیک وقت شاعر، ناول نگار، مترجم، فلسفی، منطق دان، سائنس کے طالب علم، موسیقی شناس اور انسانی نفسیات کے مشاہد کی شخصیت تھی۔ جدید سوانحی مواد میں ان کی فلسفہ، منطق، ریاضی، طب، کیمیا، موسیقی اور نجوم سے وابستگی کا ذکر ملتا ہے۔

چنانچہ ”امراؤ جان ادا“ کو پڑھتے وقت یہ دیکھنا زیادہ اہم ہے کہ رسوا کی یہ کثیر الجہتی شخصیت ناول کے اندر کس طرح تخلیقی صورت اختیار کرتی ہے۔ مرزا ہادی رسوا انیسویں صدی کے ان ادیبوں میں تھے جن کے لیے ادب زندگی سے الگ کوئی محدود سرگرمی نہیں تھا۔ ان کی علمی دلچسپیوں کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ شاعری سے آغاز کیا، فلسفہ اور مذہبی علوم کا مطالعہ کیا، سائنس سے دلچسپی لی، مختلف زبانوں اور علوم سے استفادہ کیا اور بالآخر اردو ناول کو ایک نئی فنی سمت عطا کی۔



یہ کثیر الجہت شخصیت ”امراؤ جان ادا“ میں حیرت انگیز طور پر منعکس ہوتی ہے۔ ناول کا موضوع بظاہر ایک طوائف کی زندگی ہے، مگر اس کے اندر شاعری، موسیقی، تہذیب، مذہب، اخلاق، نفسیات، سیاست، معیشت اور انسانی تعلقات کے بے شمار پہلو شامل ہیں۔ اسی لیے سید وقار عظیم نے رسوا کے اس ناول کے حوالے سے لکھا:

”رسوا نے امراؤ جان ادا لکھ کر پہلی مرتبہ لکھنے والوں کو یہ سبق دیا کہ زندگی کے سیدھے

سادے معمولی اور بظاہر غیر اہم مشاہدات کے پیچھے تہذیب، معاشرت، سیاست، معیشت،

اخلاق اور بعض اوقات تاریخ کے حقائق پوشیدہ وپنہاں ہوتے ہیں۔ [1]

یہ اقتباس ہمارے بنیادی مقدمے کی تائید کرتا ہے۔ رسوا نے اپنی آنکھ سے دیکھی ہوئی زندگی کو صرف واقعات کے طور پر نہیں دیکھا؛ ان کے پیچھے تہذیب، معاشرت، سیاست، اخلاق اور تاریخ کے رشتوں کو بھی محسوس کیا۔ یہی ان کی شخصیت کی سب سے بڑی تخلیقی خصوصیت ہے۔

”امراؤ جان ادا“ کی ظاہری ساخت ایک عورت کی آپ بیتی ہے۔ امراؤ اپنی زندگی بیان کرتی ہے اور رسوا اس کے سامع، سوال کنندہ اور مرتب کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں۔ اس تکنیک کی وجہ سے ناول میں مصنف اور کردار کے درمیان ایک مکالماتی رشتہ قائم ہوتا ہے۔ یہاں رسوا کی شخصیت کا ایک اہم پہلو سامنے آتا ہے کہ وہ صرف قصہ گو نہیں، سوال کرنے والا ذہن ہے۔ وہ امراؤ کی زندگی کو صرف سن کر آگے نہیں بڑھتے بلکہ اس کے تجربات کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امراؤ کی زندگی فرد کی زندگی سے نکل کر معاشرے کی زندگی بن جاتی ہے۔

صلاح الدین احمد نے اس ناول کی اس خصوصیت کو نہایت جامع انداز میں بیان کیا ہے:

”امراؤ جان ادا ہماری زبان کی سب سے پہلی آٹو بائیو گرافی ہے جو نہ صرف اپنے موضوع کی

بلکہ اپنے ماحول اور سماج کی پوری پوری آئینہ دار کرتی ہے۔ [2]



یہاں ”آٹو بائیو گرافی“ کا مفہوم اگر صرف امر او کی ذات تک محدود نہ رکھا جائے تو ناول کی معنویت زیادہ وسیع ہو جاتی ہے۔ امر او اپنی زندگی سناتی ہے لیکن اس کی زندگی کے پیچھے پورا معاشرہ بولتا ہے۔ اس لحاظ سے امر او کی خود نوشت دراصل ایک عہد کی خود نوشت بن جاتی ہے، اور اس عہد کو دیکھنے والی آنکھ رسوا کی ہے۔

امر او جان کا کردار اردو فکشن کے ان نسوانی کرداروں میں سے ہے جو محض حسن، عشق یا مظلومیت کی نمائندگی نہیں کرتے۔ وہ ذہین ہے، صاحب مطالعہ ہے، شعر کہتی ہے، شعر سمجھتی ہے، گفتگو میں برجستگی رکھتی ہے اور اپنے حالات پر غور کرتی ہے۔ ڈاکٹر میمونہ انصاری سے منسوب یہ رائے اس کردار کی غیر معمولی اہمیت کو واضح کرتی ہے:

”امر او جان ادا کا کردار اردو زبان میں اہم ترین کردار ہے۔ یہ پہلا سنجیدہ کردار ہے جو اپنی

زندگی کا ضامن ہے۔ اب تک اس کردار کا ثانی کردار تخلیق نہیں ہوا۔ [3]

یہاں ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے: ایک طوائف کو اس قدر ذہین، صاحب شعور اور خود آگاہ کیوں بنایا گیا؟ اس کا ایک جواب رسوا کی اپنی علمی شخصیت میں ملتا ہے۔ رسوا عورت کو محض خارجی وجود کے طور پر نہیں دیکھتے بلکہ اس کے باطن، شعور اور تجربے کو اہمیت دیتے ہیں۔ امر او کا شعری ذوق اور فکری شعور دراصل اس بات کی علامت ہے کہ رسوا کے نزدیک انسانی شخصیت کی قدر اس کے پیشے یا سماجی حیثیت سے متعین نہیں ہوتی۔ امر او طوائف ہے، لیکن اس کی ذہانت اس کی انسانی شناخت ہے۔ یہی رسوا کی شخصیت کا مثبت انسانی پہلو ہے۔

”امر او جان ادا“ پر سب سے اہم تنقیدی مباحث میں سے ایک اس کے موضوع سے متعلق ہے۔ کیا یہ صرف ایک طوائف کی زندگی کا ناول ہے؟ خورشید الاسلام نے اس تصور کی شدید مخالفت کی۔ وہ لکھتے ہیں:

”یہ کہنا غلط نہیں کہ طوائفوں کی زندگی اس ناول کا موضوع نہیں ہے۔ [4]

خورشید الاسلام کے نزدیک ناول کا اصل موضوع زوال پذیر اودھی معاشرت ہے۔ طوائف کا کوٹھا اس وسیع معاشرتی تصویر کو دیکھنے کا ایک زاویہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ناول میں نواب، مولوی، ڈاکو، کنٹیاں، بیگمیں، مشاعرے، میلے، حجرے، بازار اور مختلف معاشرتی طبقات ایک ساتھ سامنے آتے ہیں۔ خورشید الاسلام اس نتیجے تک پہنچتے ہیں کہ:



”امراؤ جان ادا کا موضوع زوال ہے۔ یہ زوال ایک خاص معاشرت کا ہے جو اودھ کے چند

شہروں میں محدود تھی۔ [5]“

یہ رائے ہمارے موضوع کے لیے اس لیے اہم ہے کہ اس سے رسوا کی تہذیبی شخصیت سامنے آتی ہے۔ رسوا نے امراؤ کو محض اس لیے نہیں چنا کہ اس کی زندگی دلچسپ تھی؛ انہوں نے ایک ایسے کردار کو مرکز بنایا جس کے ذریعے پورے معاشرے کے مختلف طبقوں کو دکھایا جاسکتا تھا۔ یہ انتخاب خود رسوا کے تہذیبی شعور کی علامت ہے۔

مرزا رسوا کے ہاں لکھنؤ محض ایک شہر نہیں بلکہ ایک مکمل تہذیبی نظام ہے۔ زبان، لباس، شاعری، موسیقی، مشاعرے، محفل، آداب، طوائف، نواب، مذہب اور معاشرتی طبقات سب مل کر لکھنؤ کی تشکیل کرتے ہیں۔

اسی لیے پروفیسر سید احتشام حسین کے حوالے سے یہ تنقیدی رائے ملتی ہے:

”ایک طوائف کی تصویر کے پیچھے ہر طبقے کے لوگ نظر آتے ہیں اور وہ لکھنؤ ہمارے سامنے

آجاتا ہے جو انیسویں صدی کے آخر میں زوال پذیر تھا۔ [6]“

یہ اقتباس اس ناول کی تہذیبی ساخت کو سمجھنے میں کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ امراؤ کے کوٹھے سے نکل کر قاری پورے لکھنؤ تک پہنچتا ہے۔ یہی رسوا کی فن کاری ہے۔

یہاں مصنف کی شخصیت ایک تہذیبی مورخ کی صورت میں سامنے آتی ہے، لیکن وہ تاریخ کی کتاب نہیں لکھتا۔ وہ تاریخ کو انسانی زندگی کے اندر رکھ کر دکھاتا ہے۔

رسوا خود شاعر تھے اور شاعری ان کی شخصیت کا بنیادی حصہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ”امراؤ جان ادا“ کی دنیا میں شاعری محض آرائش نہیں بلکہ کردار سازی کا وسیلہ بن جاتی ہے۔ امراؤ شاعرہ ہے۔ اس کا شعری ذوق اس کی داخلی زندگی کا حصہ ہے۔ وہ محبت، جدائی، حسرت اور زندگی کے تجربات کو شعر کے ذریعے سمجھتی اور بیان کرتی ہے۔ اسی طرح ناول کی تہذیبی فضا موسیقی اور محفل کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ لکھنؤی معاشرے کی تشکیل میں طوائف کا کوٹھا، موسیقی اور مشاعرہ اہم ادارے تھے۔ رسوا نے ان سب کو نہایت باریک مشاہدے کے ساتھ ناول میں جگہ دی۔



یہاں مصنف کی اپنی موسیقی شناسی اور شعری شخصیت کرداروں اور ماحول میں جذب ہو جاتی ہے۔ یعنی امراؤ کی شاعری میں رسوا کا شاعر اور اس کی محفلوں میں رسوا کا موسیقی شناس زندہ ہے۔

”امراؤ جان ادا“ کی سب سے اہم فنی خصوصیات میں سے ایک اس کا نفسیاتی شعور ہے۔ رسوا اپنے کرداروں کو محض ظاہری اعمال سے نہیں دیکھتے بلکہ ان کے باطن، محرومی، خواہش، خوف، محبت اور ذہنی کشمکش کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایک تحقیقی مطالعے کے مطابق رسوا نے اردو ادب میں نفسیاتی عوامل کو کردار سازی کے ساتھ جوڑ کر ایک نئی جہت پیدا کی۔

ایک دوسرے تحقیقی مطالعے میں رسوا کے بارے میں یہ رائے نقل ہوئی ہے:

”رسوا کو اردو ادب میں یہ اولیت حاصل ہے کہ انہوں نے باقاعدہ طور پر علم النفس کی روشنی

میں ادب کو سمجھنے کی کوشش کی، اس لیے ان کو بجا طور پر پہلا نفسیاتی نقاد کہا جاسکتا ہے۔“

[7]

یہاں مصنف کی شخصیت کا ایک نہایت اہم پہلو سامنے آتا ہے۔ رسوا کی علمی دلچسپیوں میں نفسیات اور انسانی ذہن کا مطالعہ شامل تھا؛ چنانچہ امراؤ کے کردار میں بھی انسانی باطن کی پیچیدگیاں نمایاں ہوتی ہیں۔ امراؤ کی شخصیت دو متضاد دنیاؤں کے درمیان تشکیل پاتی ہے۔ ایک طرف وہ ایک شریف گھرانے کی بچی ہے، دوسری طرف حالات اسے طوائف بنادیتے ہیں۔ لیکن جسمانی اور سماجی حالات کی تبدیلی اس کے باطن کی تمام سابقہ شناختوں کو ختم نہیں کر پاتی۔ یہی نفسیاتی تضاد رسوا کے انسانی مشاہدے کی گہرائی کو ظاہر کرتا ہے۔ رسوا کے ہاں امراؤ کو صرف ”گناہ گار عورت“ کے طور پر پیش نہیں کیا گیا۔ وہ اس کے حالات کو سمجھتے ہیں۔ امراؤ پیدا نشی طوائف نہیں۔ اسے اغوا کیا جاتا ہے، فروخت کیا جاتا ہے، تربیت دی جاتی ہے اور ایک مخصوص معاشرتی نظام میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ اس لیے اس کی شخصیت کو محض اخلاقی فیصلے سے نہیں سمجھا جاسکتا۔ یہاں رسوا کی انسان دوستی نمایاں ہوتی ہے۔

وہ قاری سے یہ سوال کرواتے ہیں کہ اگر کسی عورت کو معاشرہ خود ایک مخصوص کردار میں دھکیل دے تو اس کے بعد اس کے اعمال کی ذمہ داری کس پر عائد ہوگی؟ یہ سوال ناول کو اخلاقی وعظ سے نکال کر انسانی المیے میں تبدیل کر دیتا ہے۔ اسی وجہ سے جدید مطالعات میں ”امراؤ جان ادا“ کو عورت کی آواز، agency اور سماجی جبر کے تناظر میں بھی پڑھا گیا ہے۔



رسوا کی شخصیت میں فلسفیانہ اور منطقی رجحان بھی نمایاں تھا۔ یہی رجحان ناول میں تقدیر، اختیار، اخلاق اور انسانی فیصلوں کے سوالات پیدا کرتا ہے۔ امراؤ کی زندگی کا بنیادی سوال یہی ہے کہ انسان اپنی زندگی کا مالک کتنا ہے؟ اگر بچپن میں کسی معصوم لڑکی کو اغوا کر کے ایک کوٹھے پر فروخت کر دیا جائے تو اس کے بعد اس کے کردار اور اخلاق کا فیصلہ کیسے کیا جائے؟ کیا اس کے اعمال مکمل طور پر اس کے اپنے اختیار کا نتیجہ ہیں یا سماجی حالات نے اس کے اختیار کو محدود کر دیا ہے؟ یہ سوال رسوا کو محض کہانی کار نہیں رہنے دیتے بلکہ وہ ایک فلسفیانہ سوال کنندہ بن جاتے ہیں۔ یوں امراؤ کی زندگی کے ذریعے رسوا انسانی آزادی، مجبوری، تقدیر اور اخلاق کے مسائل کو زیر بحث لاتے ہیں۔

رسوا کی سائنسی دلچسپی بھی ان کی شخصیت کا نمایاں پہلو تھی۔ وہ مظاہر کو محض قبول نہیں کرتے بلکہ ان کے اسباب جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہی رویہ ”امراؤ جان ادا“ میں کرداروں کی تشکیل میں بھی نظر آتا ہے۔ خانم مفاد پرست کیوں ہے؟ گوہر مرزا کے رویے کے پیچھے کیا نفسیاتی محرکات ہیں؟ امراؤ محبت اور خودداری کے درمیان کیوں الجھتی ہے؟ نواب سلطان کی محبت کس نوعیت کی ہے؟ یہ تمام سوالات کرداروں کو محض ”اچھا“ یا ”برا“ قرار دینے کے بجائے ان کے رویوں کے اسباب تلاش کرتے ہیں۔ یہی رسوا کی شخصیت کا سائنسی اور تجزیاتی پہلو ہے۔

ناول میں رسوا اور امراؤ کا تعلق خود اس نظریے کا سب سے بڑا ثبوت ہے کہ مصنف فن پارے سے مکمل طور پر باہر نہیں رہتا۔ امراؤ داستان سناتی ہے، مگر رسوا سوال کرتے ہیں۔ امراؤ تجربہ پیش کرتی ہے، رسوا اس تجربے کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ امراؤ زندگی جیتی ہے، رسوا اس زندگی کو معنی دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ”امراؤ جان ادا“ ایک عورت کی آپ بیتی ہونے کے باوجود ایک مرد مصنف کی فکری موجودگی سے خالی نہیں۔ درحقیقت ناول کے اندر دو شعور کام کر رہے ہیں۔ امراؤ کا تجرباتی شعور اور رسوا کا تجزیاتی شعور۔ یہ دونوں مل کر ناول کی معنوی دنیا تشکیل دیتے ہیں۔

یہاں مصنف کی نمائندگی یا (Face of the Writer) کے تصور کو نئے سرے سے سمجھنا ضروری ہے۔ اگر اس سے مراد یہ لی جائے کہ مصنف ہر کردار میں اپنی ذاتی زندگی کی نقل کرتا ہے تو یہ تصور یقیناً محدود اور منفی ہے۔ لیکن اگر اس سے مراد یہ ہو کہ



مصنف کی شخصیت اپنے فن پارے کے فکری، جمالیاتی اور نفسیاتی نظام میں ظاہر ہوتی ہے تو ”امراؤ جان ادا“ اس کی بہترین مثال ہے۔ رسوانے امراؤ میں اپنی زندگی کے واقعات نہیں لکھے بلکہ اپنی شخصیت کے مختلف اجزا منتقل کیے۔

”امراؤ جان ادا“ کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ بات نمایاں ہوتی ہے کہ مرزاہادی رسوانے اپنی شخصیت کو کسی ایک کردار میں منتقل نہیں کیا بلکہ اپنی ذات کے مختلف علمی، فکری، جمالیاتی اور نفسیاتی پہلو پورے ناول میں پھیلا دیے ہیں۔ شاعر رسوا امراؤ کی شاعرانہ شخصیت میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ امراؤ محض شعر سنانے والی طوائف نہیں بلکہ شعر کو اپنے جذبات، تجربات اور داخلی کیفیات کے اظہار کا وسیلہ بناتی ہے۔ اس کے ہاں شعر زندگی سے الگ کوئی تفریح نہیں بلکہ اس کے باطن کی زبان ہے۔ محبت، جدائی، حسرت، انتظار، خودداری اور محرومی جیسے جذبات جب شعری پیکر اختیار کرتے ہیں تو امراؤ کا کردار ایک عام طوائف سے بلند ہو کر ایک صاحب شعور اور صاحب ذوق عورت بن جاتا ہے۔ رسوا خود شاعر تھے اور شاعری ان کی شخصیت کا بنیادی حوالہ تھی؛ چنانچہ امراؤ کی شعری حس کو محض کردار کی مناسبت سے پیدا کردہ وصف سمجھنا کافی نہیں۔ اس میں رسوا کے اپنے شاعرانہ مزاج اور شعری شعور کی تخلیقی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ یوں امراؤ کا شعر کہنا دراصل رسوا کے اس تصور انسان کی ترجمانی بھی کرتا ہے جس کے مطابق انسان کی اصل قدر اس کے سماجی مرتبے یا پیشے سے نہیں بلکہ اس کے باطنی شعور اور جمالیاتی صلاحیت سے متعین ہوتی ہے۔

اسی طرح موسیقی شناس رسوا ”امراؤ جان ادا“ کی محفلوں، کوٹھوں، مشاعروں، رقص اور گائیکی کی فضا میں موجود ہے۔ لکھنؤ کی طوائف کا کوٹھا اس ناول میں محض جسم فروشی کی جگہ نہیں بلکہ ایک تہذیبی ادارہ ہے جہاں موسیقی، شعر، رقص، گفتگو، لباس، آداب اور فنون لطیفہ ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ رسوا کی اپنی موسیقی سے گہری دلچسپی تھی، اس لیے ناول میں موسیقی محض پس منظر کا ساز نہیں بنتی بلکہ کرداروں اور معاشرتی زندگی کو سمجھنے کا وسیلہ بن جاتی ہے۔ اسی کے ساتھ تہذیب شناس رسوا بھی پوری قوت سے سامنے آتے ہیں۔ لکھنؤ کی زبان، لباس، رہن سہن، محفل آرائی، نوابوں کی زندگی، طوائفوں کے کوٹھے، مشاعرے، مذہبی رسومات، بازار اور مختلف طبقاتی رویے مل کر اس تہذیب کی تشکیل کرتے ہیں جسے رسوانے نہایت قریب سے دیکھا تھا۔ امراؤ کی ذاتی داستان کے پیچھے دراصل ایک پورا لکھنوی معاشرہ سانس لیتا ہے۔ اس اعتبار سے ناول کو ایک فرد کی خودنوشت سے زیادہ ایک زوال پذیر



تہذیب کی اجتماعی یادداشت بھی کہا جاسکتا ہے۔ رسوائے جس معاشرے کو اپنی آنکھوں کے سامنے تبدیل ہوتے دیکھا، اسے امر او کی زندگی کے ذریعے ادبی حافظے میں محفوظ کر دیا۔

اس تہذیبی اور جمالیاتی سطح کے ساتھ فلسفی رسوا بھی ناول کے اندر مسلسل سوال اٹھاتا ہوا موجود ہے۔ امر او کی زندگی صرف حادثات کا سلسلہ نہیں؛ اس کے ذریعے تقدیر، اختیار، اخلاق، جبر اور انسانی ذمہ داری کے سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ ایک معصوم بچی کو اغوا کر کے طوائف بنادیا جائے تو بعد کی زندگی میں اس کے اعمال کو کس حد تک اس کا اپنا انتخاب کہا جاسکتا ہے؟ کیا انسان اپنے حالات کا مکمل مالک ہے یا معاشرتی قوتیں اس کے فیصلوں کو پہلے ہی محدود کر دیتی ہیں؟ کیا اخلاقی فیصلے صرف فرد کے اعمال کی بنیاد پر کیے جاسکتے ہیں یا اس کے حالات کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے؟ یہ سوالات ناول کو محض عشقیہ یا معاشرتی داستان سے نکال کر فلسفیانہ سطح پر لے جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ نفسیات شناس رسوا کرداروں کے باطن میں اترتا ہے۔ امر او کے اندر ماضی کی معصوم لڑکی، موجودہ طوائف، عاشقہ، شاعرہ، خوددار عورت اور تنہا انسان ایک ساتھ موجود ہیں۔ اس داخلی تضاد کو محسوس کرنا اور اسے کردار کی تشکیل کا بنیادی عنصر بنانا رسوا کے غیر معمولی نفسیاتی شعور کی علامت ہے۔ اسی لیے امر او کا کردار کسی ایک اخلاقی تعریف میں بند نہیں ہوتا؛ وہ حالات، خواہش، یادداشت، محرومی اور شعور کے باہمی تصادم سے تشکیل پاتا ہے۔

رسوا کی شخصیت کا سائنس پسند اور تجزیاتی پہلو بھی اسی مقام پر نمایاں ہوتا ہے۔ وہ کرداروں کو صرف نیک یا بد، مظلوم یا ظالم قرار نہیں دیتے بلکہ ان کے رویوں کے اسباب تلاش کرتے ہیں۔ خانم کارویہ صرف ایک ”بری عورت“ کا رویہ نہیں؛ اس کے پیچھے ایک مخصوص معاشی اور معاشرتی نظام ہے۔ امر او کی زندگی صرف اس کی اپنی خواہشات کا نتیجہ نہیں بلکہ اغوا، فروخت، تربیت، بازار اور مردانہ معاشرت کی قوتیں بھی اس کی شخصیت کی تشکیل میں شامل ہیں۔ اس طرح رسوا کا تجزیاتی ذہن انسانی رویے کو علت و معلول کے رشتے میں دیکھتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں ان کی سائنسی اور فلسفیانہ دلچسپیاں ان کے فکشن میں تخلیقی صورت اختیار کرتی ہیں۔ وہ انسان کے رویے کو فوری اخلاقی فیصلے کے بجائے مشاہدے، تجزیے اور تفہیم کے ذریعے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس پورے عمل میں انسان دوست رسوا کا وجود شاید سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ انہوں نے ایک ایسی عورت کو ناول کا مرکزی کردار بنایا جو معاشرتی اعتبار سے حاشیے پر تھی۔ لیکن امر او کو محض ایک طوائف کے طور پر پیش کرنے کے بجائے اسے ایک مکمل انسانی



شخصیت، ایک صاحبِ شعور عورت اور اپنی زندگی کی راوی بنایا گیا۔ اسے اپنی کہانی سنانے کا حق دیا گیا؛ وہ اپنے ماضی کی تعبیر خود کرتی ہے، اپنے جذبات بیان کرتی ہے، اپنے فیصلوں پر غور کرتی ہے اور اپنے تجربات کو معنی دیتی ہے۔ اس طرح رسوائے ایک ایسے طبقے کو آواز دی جسے عموماً معاشرہ صرف موضوع بناتا ہے، متکلم نہیں۔ یہی رسوا کی انسان دوستی کا سب سے روشن پہلو ہے۔ امرائے عزتِ نفس، ذہانت اور شعری صلاحیت اس بات کا اعلان ہے کہ انسانی عظمت کسی پیشے، طبقے یا سماجی شناخت کی پابند نہیں۔ آخر میں زبان شناس رسوا پورے ناول میں لکھنوی محاورے، روزمرہ، لہجے، تہذیبی اصطلاحات اور گفتگو کے آداب کے ذریعے موجود ہے۔ ناول کی زبان محض کہانی بیان نہیں کرتی بلکہ ایک پورے معاشرے کو زندہ کرتی ہے۔ امرائے جس طرح بولتی ہے، اس کے مکالمے، طنز، شوخی، شائستگی اور محاوراتی انداز اس کی شخصیت کے ساتھ ساتھ لکھنوی تہذیب کی شناخت بھی بن جاتے ہیں۔ یوں شاعر، موسیقی شناس، تہذیب شناس، فلسفی، نفسیات شناس، سائنس پسند، انسان دوست اور زبان شناس رسوا الگ الگ وجود نہیں رکھتے بلکہ سب مل کر ”امراؤ جان ادا“ کے تخلیقی رسوا کو تشکیل دیتے ہیں۔

اس لیے یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ مرزا رسوائے امرائے جان میں اپنی زندگی کے واقعات منتقل نہیں کیے، اپنی شخصیت کے مختلف شعوری تجربات منتقل کیے ہیں۔ امرائے رسوا نہیں ہے، لیکن امرائے شاعری میں شاعر رسوا، اس کی محفل میں موسیقی شناس رسوا، اس کے ماحول میں تہذیب شناس رسوا، اس کے سوالات میں فلسفی رسوا، اس کے باطن میں نفسیات شناس رسوا، اس کے کرداروں کے تجزیے میں سائنس پسند رسوا، اس کی انسانی عظمت کے اعتراف میں انسان دوست رسوا اور اس کی زبان میں زبان شناس رسوا موجود ہے۔ یہی وہ مثبت مفہوم ہے جس میں ”مصنف کی شخصیت کا انعکاس“، فلشن کی کمزوری نہیں بلکہ اس کی تخلیقی قوت بن جاتا ہے۔ اس اعتبار سے امرائے جان رسوا نہیں، مگر امرائے تخلیقی وجود میں رسوا کی شخصیت کے متعدد عکس موجود ہیں۔

”امراؤ جان ادا“ کا سب سے بڑا فنی کمال یہ ہے کہ مرزا ہادی رسوائے فرد اور معاشرے کے درمیان قائم ظاہری حدِ فاصل کو تقریباً ختم کر دیا ہے۔ بظاہر ناول ایک عورت، امرائے جان، کی زندگی کی داستان ہے، مگر امرائے زندگی جن سماجی، تہذیبی اور تاریخی حالات میں تشکیل پاتی ہے، وہ دراصل پورے لکھنؤ کی اجتماعی زندگی کے نمائندہ حالات ہیں۔ امرائے بچپن، تربیت، کوٹھے کی زندگی، مشاعروں، محفلوں، محبتوں اور معاشرتی تعلقات کے ذریعے ایک پورا تہذیبی نظام ہمارے سامنے آتا ہے۔ اس طرح امرائے فرد بھی



ہے اور معاشرہ بھی؛ اس کی شخصیت انفرادی دکھائی دیتی ہے، لیکن اس کے تجربات میں اس عہد کی اجتماعی نفسیات، اخلاقی اقدار، طبقاتی تقسیم، جنسی سیاست اور تہذیبی ترجیحات شامل ہیں۔ اس اعتبار سے امراؤ کی داستان کو ایک فرد کی خودنوشت کے بجائے ایک تہذیب کی خودنوشت کہنا زیادہ با معنی ہوگا۔

امراؤ کی زندگی کا عروج دراصل اس تہذیب کے عروج کی علامت ہے جس میں شاعری، موسیقی، رقص، گفتگو، محفل، آداب معاشرت اور فنون لطیفہ زندگی کا لازمی حصہ تھے؛ جب کہ اس کی زندگی میں آنے والی تبدیلیاں اور محرومیاں اسی تہذیبی نظام کے اندر پیدا ہونے والے بحران کی علامت بن جاتی ہیں۔ امراؤ جس ماحول میں تربیت پاتی ہے، وہاں حسن اور فن کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، شعر و سخن سماجی مرتبے کا وسیلہ ہیں اور محفل انسانی تعلقات کی تشکیل کرتی ہے۔ لیکن یہی معاشرہ عورت کو ایک مخصوص دائرے میں مقید بھی کرتا ہے اور اس کی صلاحیتوں کو اس کے جسم اور پیشے سے مشروط کر دیتا ہے۔ چنانچہ امراؤ کے وجود میں لکھنوی تہذیب کے تضادات بھی جمع ہو جاتے ہیں۔ اس کے عروج میں لکھنؤ کی تہذیبی رونق ہے، جب کہ اس کے زوال، تنہائی اور بے یقینی میں اس معاشرے کی اندرونی شکستگی اور زوال کے آثار دکھائی دیتے ہیں۔ یوں امراؤ کا ذاتی المیہ رفتہ رفتہ ایک اجتماعی تہذیبی المیے میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

اس زاویے سے دیکھا جائے تو امراؤ کی یادداشت محض ایک عورت کے گزرے ہوئے دنوں کی یاد نہیں بلکہ ایک ایسے عہد کی یادداشت ہے جو خود تاریخ کے دھارے میں پیچھے رہ گیا تھا۔ رسوائی امراؤ کی زبان میں جس لکھنؤ کو محفوظ کیا ہے، وہ صرف عمارتوں، بازاروں اور محفلوں کا لکھنؤ نہیں بلکہ ایک مخصوص ذہن، زبان، ذوق، اخلاق اور طرز زندگی کا لکھنؤ ہے۔ امراؤ کی تنہائی میں ایک تہذیب کی تنہائی اس لیے محسوس ہوتی ہے کہ اس کے ساتھ وہ دنیا بھی معدوم ہوتی جا رہی ہے جس نے اس کی شخصیت کو تشکیل دیا تھا۔ اس اعتبار سے ناول کو تہذیبی خودنوشت کہنا اس لیے بھی مناسب ہے کہ امراؤ کی ذات کے اندر ایک پورا معاشرہ محفوظ ہے اور اس کی یادداشت کے ذریعے مرزا رسوائی اپنے عہد کی بدلتی ہوئی تہذیبی صورت کو ادبی حافظے میں ثبت کر دیا ہے۔ امراؤ کی زندگی ختم ہوتی ہے، مگر اس کی داستان کے اندر محفوظ لکھنؤ اپنی پوری تہذیبی پیچیدگی کے ساتھ زندہ رہتا ہے۔



یہی وجہ ہے کہ خورشید الاسلام نے ناول کو ”زوال“ کے موضوع سے تعبیر کیا۔ ان کے مطابق رسوا زوال پذیر معاشرت کی تصویر پیش کرنا چاہتے تھے اور خانم کا نگار خانہ اس تصویر کے لیے ایک ایسا مقام بن جاتا ہے جہاں سے معاشرے کے مختلف طبقات کو دیکھا جاسکتا ہے۔

یہ تعبیر ہمارے بنیادی مقدمے کو تقویت دیتی ہے کہ رسوا کی شخصیت ناول میں کسی ایک کردار تک محدود نہیں بلکہ پورے تہذیبی منظر نامے کی تشکیل میں موجود ہے۔

”امراؤ جان ادا“ میں مرزا ہادی رسوا کی زندگی کی عکاسی کو محض سوانحی واقعات کی تلاش تک محدود کرنا درست نہیں۔ ناول میں رسوا کی زندگی اس معنی میں موجود نہیں کہ امراؤ ان کی خود نوشت ہے یا ناول کے تمام واقعات مصنف کی زندگی سے اخذ کیے گئے ہیں۔ اس کے بجائے رسوا کی شخصیت، علمی تجربہ، تہذیبی شعور، نفسیاتی بصیرت، فلسفیانہ ذہن، شاعرانہ مزاج اور انسان دوستی ناول کی مختلف سطحوں پر منعکس ہوتی ہے۔

امراؤ میں رسوا کا شاعر موجود ہے، اس کی محفلوں میں رسوا کا موسیقی شناس، اس کی زبان میں رسوا کا زبان شناس ذہن، اس کے باطن میں رسوا کی نفسیات شناس، اس کے سوالات میں رسوا کا فلسفی، اس کے سماجی مشاہدے میں رسوا کا محقق اور اس کی انسانی عظمت کے اعتراف میں رسوا کا انسان دوست وجود موجود ہے۔ یوں امراؤ کا کردار محض ایک تخلیق کردہ کردار نہیں رہتا بلکہ وہ مرزا رسوا کی کثیر الجہتی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو اپنے اندر جذب کرنے والی ایک تخلیقی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اس اعتبار سے ”امراؤ جان ادا“ کو مرزا رسوا کی تخلیقی خود شناسی بھی کہا جاسکتا ہے۔ یہ خود شناسی براہ راست ”میں“ کے اظہار سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ ”دوسرے“ کے کردار میں اپنی فکری، جمالیاتی اور انسانی شخصیت کی تشکیل کے ذریعے سامنے آتی ہے۔ رسوا نے اپنے آپ کو امراؤ نہیں بنایا، بلکہ امراؤ کو تخلیق کرتے ہوئے اپنی شخصیت کے ان پہلوؤں کو ظاہر کیا جو ان کے لیے انسان، معاشرے، تہذیب اور زندگی کو سمجھنے کا ذریعہ تھے۔

یہی فکشن میں مصنف کی شخصیت کے انعکاس کا مثبت مفہوم ہے۔ مصنف اپنی زندگی نہیں لکھتا، بلکہ اپنی زندگی سے حاصل شدہ شعور لکھتا ہے؛ وہ اپنے واقعات نہیں دہراتا، بلکہ اپنے تجربات کو نئے کرداروں اور نئی صورت حال میں تخلیق کرتا ہے؛ وہ اپنی ذات کو براہ



راست بیان نہیں کرتا، بلکہ اپنی ذات کے فکری، نفسیاتی اور جمالیاتی اثرات کو پورے فن پارے میں پھیلا دیتا ہے۔ اسی اعتبار سے ”امراؤ جان ادا“ مرزا ہادی رسوا کی خود نوشت نہیں، لیکن یہ ان کی تخلیقی شخصیت کی ایک نہایت گہری خود عکاسی ضرور ہے۔ امراؤ کی داستان میں رسوا کی زندگی نہیں، رسوا کا شعور زندہ ہے؛ اور یہی شعور اس ناول کو ایک فرد کی داستان سے اٹھا کر ایک عہد، ایک تہذیب اور خود مصنف کی تخلیقی شخصیت کی داستان بنا دیتا ہے۔

تنقیدی اقتباسات

- 1- سید وقار عظیم، داستان سے افسانے تک، 7877۔
- 2- صلاح الدین احمد، ”اردو میں افسانوی ادب“، صریر خامہ، جلد 2، ص 54۔
- 3- ڈاکٹر میمونہ انصاری، حوالہ منقول در: ”ناول امراؤ جان ادا کا تنقیدی جائزہ۔“
- 4- خورشید الاسلام، مرزار رسوا کی ناولیں، 56۔
- 5- خورشید الاسلام، مرزار رسوا کی ناولیں، 57۔
- 6- سید احتشام حسین، اردو ادب کی تنقیدی تاریخ، 205۔
- 7- شارب ردو لوی، جدید اردو تنقید: اصول و نظریات، 230۔

کتابیات

- وقار عظیم، سید۔ داستان سے افسانے تک۔ کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، 1966۔
- احمد، صلاح الدین۔ ”اردو میں افسانوی ادب۔“ صریر خامہ، جلد دوم۔ مرتبہ معزالدین احمد۔ لاہور: المقبول پبلی کیشنز، ص 54۔
- انصاری، میمونہ، ڈاکٹر۔ ”امراؤ جان ادا کا کردار۔“ حوالہ منقول در: ”ناول امراؤ جان ادا کا تنقیدی جائزہ۔ Urdu Notes“۔
- خورشید الاسلام۔ مرزار رسوا کی ناولیں۔ [اشاعتی تفصیلات دستیاب ماخذ میں مکمل طور پر درج نہیں]، 56۔ خورشید الاسلام کی ”امراؤ جان ادا“ پر تنقید میں موضوع، کردار، اسلوب، مکالمہ اور تہذیبی پس منظر پر تفصیلی بحث ملتی ہے۔
- حسین، سید احتشام۔ اردو ادب کی تنقیدی تاریخ، ص 205۔



- ردولوی، شارب۔ جدید اردو تنقید: اصول و نظریات۔ ساتواں ایڈیشن۔ لکھنؤ: اتر پردیش اردو اکادمی، 2006، 230۔
- راحیلہ، ڈاکٹر، اور ڈاکٹر محمد الطاف یوسفزی۔ ”ناول ’امراؤ جان ادا‘ کا نفسیاتی تجزیہ۔ Journal of Research (Urdu) 35، شمارہ 2 (دسمبر 2019): 47-52۔
- رسوا، مرزا محمد ہادی۔ امر اؤ جان ادا۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2008۔ یہ ایڈیشن نفسیاتی مطالعے میں بھی بنیادی متن کے طور پر درج ہے۔
- صدیقی، ابواللیث۔ امر اؤ جان ادا: تنقید و تبصرہ۔ کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، 1961۔ یہ کتاب ”امراؤ جان ادا“ پر مستقل تنقیدی مطالعے کی حیثیت رکھتی ہے۔
- شمسی، شاہنواز حیدر۔ ”خورشید الاسلام کی فکشن تنقید: امر اؤ جان ادا کے حوالے سے۔“ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، 3 جنوری 2022۔
- کبیر، فضل، وقار علی، اور ذیشان بچہ۔ ”مرزا ہادی رسوا کے ناول امر اؤ جان ادا میں مستعمل محاورات کی توضیحی فرہنگ۔“ ادراک، 2024۔
- فہمی، ساجد ذکی۔ ”امراؤ جان ادا اور مشترکہ تہذیبی عناصر۔“ اردو دنیا، ستمبر 2025۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان۔